قائد جنگ آزادی

علامہ فضل حق خیرآبادی

یٰسین اختر مصباحی

بانی وصدر دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی-۲۵

قائدِ جنگِ آزادی علامہ فضلِ حق خیرآبادی

یٰسٓ اختر مصباحی
دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی

انقلاب ۱۸۵۷ء میں عُلمائے کرام نے مذہبی فریضہ کے طور پر انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتاویٰ جاری کیے اور عملی طور پر بھی جنگ میں شریک ہوکر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے اور انقلابیوں کی بھرپور قیادت کی جن میں قائدِ جنگِ آزادی علامہ فضلِ حق خیرآبادی، دِلاور جنگ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ مولانا مدراسی اپنے پیرومرشد حضرت محراب شاہ قلندر گوالیاری کے حکم پر تقریباً ۱۸۴۶ء سے انگریزوں کے خلاف اپنی منصوبہ بند خفیہ مہم چلا رہے تھے جسے علامہ خیرآبادی کے ہم سبق ساتھی مفتی صدرالدین آزردہؔ دہلوی کی سرپرستی حاصل تھی۔

مشہور علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء میں چند سربرآوردہ حضرات کے نام یہ ہیں۔ علامہ فضلِ حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہؔ دہلوی، مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، مولانا امام بخش صہبائیؔ دہلوی، مفتی مظہر کریم دریابادی۔

رئیس احمد جعفری ندوی (۱۹۱۲ئ۔۱۹۶۸ئ) لکھتے ہیں:

''اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں عُلما نے نمایاں حصہ لیا۔ بقول ایک اہلِ علم اور محقق کے:

مولانا فضلِ امام صدرالصدور دہلی، مفتی صدرالدین خاں آزردہؔ، مفتی عنایت احمد کاکوری منصف صدرامین کول و بریلی، مولانا فضلِ رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان، مفتی اِنعام اللہ گوپامئوی قاضیِ دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سررشتہ دار امین بریلی، علامہ فضلِ حق خیرآبادی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی و صدرالصدور لکھنؤ و مہتمم حضور

تحصیل اَوَدھ، مولوی غلام قادر گوپاموی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی وتحصیل دار گوڑ گاؤں، مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدالصدور دہلی وغیرہ۔ یہ سب اس وقت کے بے نظیر وعدیم المثال اکابر علما تھے۔حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔

مسلمانوں کی سلطنت کی بربادی ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔موقعہ کا انتظار تھا۔۱۸۵۷ء کا وقت آیا توسب میں پیش پیش یہی حضرات تھے۔

والیانِ ریاست اور اراکینِ دولت میں ناقوس حریت پھونکنے والے یہی تھے۔عوام کو ابھارنا اور فتوائے جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا۔

اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتشِ حریت میں جلنے والے یہی شمعِ شبستانِ آزادی کے پروانے تھے۔

(ص ۸۵۵۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی، طبعِ اول کتاب منزل لاہور۔سالِ طبع ندارد۔تقدیمِ کتاب از مؤلف مؤرخہ دسمبر 1955ئ)

تاریخ انقلاب پر لکھی گئی کتابوں کے عام اندازہ کے مطابق لگ بھگ پندرہ ہزار عُلما اور کئی لاکھ مسلمان جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شہید کیے گئے تھے۔

مذکورہ عُلما کو جن عُلما ومشائخِ سلف سے کسی نہ کسی شکل میں فکری وعملی رہنمائی ملی ان میں سے چند اہم نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ئ) (۲) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں مجددی دہلوی (متوفی 1195ھ/ ۱۷۸۱ئ) (۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/ ۲۴۔ ۱۸۲۳ئ) (۴) حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ئ) (۵) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ئ) (۶) حضرت مفتی محمد عوض بریلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ئ) (۷) حضرت مفتی شرف الدین رام پوری (متوفی ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ئ)

امام الحکمۃ والکلام قائدِ جنگِ آزادی علامہ فضلِ حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ئ) کی دینی وعلمی اور ادبی وسیاسی خدمات نے اپنے پورے عہد کو متاثر کیا اور آپ کے نقوشِ فکر وعمل آج بھی اہلِ وطن اور سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

علم وفضل کے لحاظ سے علامہ فضلِ حق خیر آبادی جامعِ منقول ومعقول عالمِ متبحر اور یگانۂ عصر

فاضلِ جلیل تھے۔رئیسانہ شان وشوکت کے ساتھ قلندرانہ جرأت واستقامت کے بھی پیکر تھے۔اوروہ فکر وتحقیق کی بلند چوٹی پہ فائز ایک ایسے ’’بلند پرواز شاہین‘‘ تھے جس کی مختلف علوم و فنون پر غائرانہ ومجتہدانہ نظراور جزئیات وکلیاتِ علوم وفنونِ متداولہ سب پر ان کی دسترس اور گرفت یکساں تھی۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی نے سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے قدیم ومتوارث عقائد ومعمولات سے مزاحم ومتصادم جدید مذہبی افکار ورجانات کا شرعی مواخذہ اور سخت تعاقب فرمایا جس پر ’’تحقیق الفتویٰ‘‘ اور ’’اِمتناعُ النظیر‘‘ جیسی آپ کی شاہکار کتابیں شاہد عدل ہیں

ہندوستان کے مشہور خطۂ اَودھ کا ایک مردم خیز قصبہ خیر آباد (ضلع سیتاپور، اتر پردیش) قائدِ جنگِ آزادی علامہ فضلِ حق خیرآبادی (۱۷۹۷ئ۔۱۸۶۱ء) کا وطنِ اصلی ہے۔ابتدائی تعلیم کے بعد علامہ خیرآبادی دہلی آگئے۔دہلی میں اپنے والد ماجد علامہ فضلِ امام خیرآبادی صدر الصدور (چیف جسٹس) دہلی (وصال ۱۲۴۰ھ/۲۵۔۱۸۲۴ئ) وشاہ عبدالقادر محدث دہلوی(وصال ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ئ) وشاہ عبد العزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/ ۲۴۔۱۸۲۳ئ) سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے بعمر تیرہ سال ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے اورزندگی بھرآپ درس وتدریس وتصنیف وتالیف سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ رہے۔آپ کی متعدد اہم دینی وعلمی تصانیف مطبوعہ وغیر مطبوعہ موجود ہیں۔آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے جلیل القدر عُلما مثلاً مولانا عبدالحق خیرآبادی فرزند علامہ فضلِ حق خیرآبادی، مولانا ہدایت اللہ جون پوری، مولانا عبدالقادر بدایونی فرزندِ علامہ فضلِ رسول بدایونی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے مشاہیر اور مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیرالدین دہلوی اور خواجہ الطاف حسین حالیؔ کے استاذ مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی جیسے حضرات شامل ہیں۔

حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) نبیرۂ حکیم سید برکات احمد ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ئ) تلمیذ علامہ عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ئ) نہایت اختصار کے ساتھ آپ کا تعارف اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> ’’ولادت ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ئ۔فراغتِ درس (بعمر ۱۳سال) ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ئ۔ملازمتِ کمپنی ۱۲۳۱/ ۱۸۱۶ سے کچھ قبل۔ولادتِ فرزند گرامی (مولانا عبدالحق) ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ئ۔ولادتِ فرزند (علاء الحق) ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ئ۔ وفاتِ والد ماجد (مولانا فضلِ امام

خیر آبادی) ۱۲۴۰ھ/ ۲۵۔ ۱۸۲۴ئ۔ کمپنی کی ملازمت (سررشتہ داری عدالت دیوانی دہلی) سے استعفاء ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۱ء کے اواخر میں۔ ملازمت ریاستِ جھجھر میں ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۲ئ۔ پھر چند سال الور، سہارن پور اور ٹونک میں قیام کے بعد ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء تک ریاست رام پور میں قیام (محکمۂ نظامت اور مرافعۂ عدالتین کے حاکم کی حیثیت سے) ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کے اوائل تک لکھنؤ میں قیام (کچہری حضور تحصیل کے مہتمم اور صدر الصدور کی حیثیت سے) ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں الور تشریف لے آئے اور رمضان ۱۲۷۳ھ/ مئی ۱۸۵۷ء میں سن ستاون کی جنگِ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور پورے ڈیڑھ سال (مئی ۱۸۵۷ء سے دسمبر ۱۸۵۸ئ) تک دہلی اور اودھ کے مختلف اضلاع میں مجاہدینِ حریت کی رفاقت، اعانت اور قیادت فرماتے رہے۔

جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر لیے گئے۔ مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر تمام زرعی اور مسکونہ جائداد اور ذخیرۂ نوادر کتب خانے کی ضبطی اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا سُنادی گئی۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پورٹ بلیئر (جزائر انڈمان) پہنچا دیئے گئے جہاں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ/ اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ (ص ۲۰ و ۲۱۔ فضل حق اور ۱۸۵۷ء مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی، مطبوعہ برکات اکیڈمی۔ کراچی۔ ۱۹۷۵ئ)

نواب فیض محمد خاں والیِ ریاستِ جھجھر (پنجاب) کی دعوت پر جب علامہ خیر آبادی ۱۸۳۱ء میں دہلی چھوڑ کر جھجھر جانے لگے تو آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفر (متوفی ۱۸۶۲ئ، رنگون، برما) نے نہایت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنا دوشالہ آپ کو اُڑھا کر پُرنم آنکھوں سے وداع کرتے ہوئے کہا:

"چوں کہ آپ جانے کو تیار ہیں اس لئے اب اس کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اسے منظور کروں مگر اللہ جانتا ہے کہ لفظِ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔ (یادگار غالب، مطبوعہ دہلی)

جھجھر (پنجاب) اور ریاست الور و ٹونک و رام پور میں ملازمت کے بعد آخر میں آپ لکھنؤ پہنچے اور وہاں صدر الصدور اور مہتمم "حضور تحصیل" ہوئے۔ دہلی میں بھی عرصہ تک آپ سررشتہ دار

رہے۔ دو سال تک سہارن پور میں بھی کسی عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نے کئی معرکۃُ الآرا کتابیں لکھیں اور آپ کے کئی ایک شاگرد اپنے دور کے مشاہیر عُلما و فُضلا میں شمار ہوتے ہیں۔

علامہ فضل حق اور مفتی صدر الدین آزردہؔ منقولات میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور معقولات میں علامہ فضلِ امام خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ علامہ خیرآبادی اور مفتی آزردہؔ دہلوی کا گھر دہلی کے عُلما و فُضلا و اُدَبا و شُعرا کا مرکز تھا۔

ماہِ مئی میں انقلاب ۱۸۵۷ء شروع ہوا تو علامہ خیرآبادی ریاست اَلوَر (راج پوتانہ۔ موجودہ صوبہ راجستھان) سے دہلی کئی بار آئے گئے۔ بہادر شاہ ظفر سے ملاقاتیں کیں۔ جنرل بخت خاں سے مشورے کیے اور انقلاب کی رہنمائی کرتے رہے۔

علامہ فضلِ حق کے دہلی پہنچنے اور فتوائے جہاد جاری کرنے کے تعلق سے غلام رسول مہرؔ (۱۸۸۵ء۔۱۹۷۱ئ) جو حلقۂ دیوبند و اہلِ حدیث کے معروف مؤرخ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی بعض لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کیا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کی غرض سے با قاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علمائے دہلی سے دست خط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورہ سے تیار ہوا تھا اور انہیں نے عُلما کے نام تجویز کیے جن سے دست خط لیے گئے۔ (ص: ۲۰۰۔ ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ مرتبہ غلام رسول مہرؔ، طبع سوم لاہور ۱۹۹۱ئ)

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی زندگی کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں نمایاں اور قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی غاصبانہ و ظالمانہ پیش قدمی روکنے کی بھرپور کوشش کی اور مئی ۱۸۵۷ء میں جب میرٹھ سے دہلی تک کے ہندوستانیوں نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کیا تو شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں علامہ خیرآبادی نے اپنی ولولہ انگیز تقریر اور فتوائے جہاد کے ذریعہ برطانوی سامراج کی بنیادیں ہلادیں اور اس فتوائے جہاد کے نتیجے میں نوے ہزار (۹۰۰۰۰) ہندوستانی سپاہی اور فوجی دہلی میں جمع ہو کر اپنے ملک و قوم و وطن کے وقار و خود مختاری کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے کے لئے صف آرا و کمر بستہ ہو گئے۔

ملک و ملت و امورِ سلطنت و رفاہِ خلق سے علامہ فضل حق خیرآبادی کی دل چسپی کوئی نئی نہیں تھی بلکہ آغازِ امر ہی سے تھی۔ چنانچہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے تقریباً تیس (۳۰) سال پہلے اکبر شاہ ثانی (متوفی ۱۸۳۷ئ) کے نام رعایائے شہر دہلی کے نمائندہ و ترجمان کی حیثیت سے جو

درخواست علامہ فضل حق نے تقریباً ۱۸۲۶ء میں پیش کی تھی اس سے آپ کی دوراندیشی اور سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ یہ درخواست بزبان ''فارسی'' ہے جو نوائے ادب بمبئی جلد ۱۳۔ شمارہ ۳ر جولائی ۱۹۶۲ء میں شائع ہوچکی ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی نے اپنی مذکورہ کتاب (فضلِ حق اور ۱۸۵۷ء۔ مطبوعہ کراچی) کے ضمیمہ (ص ۹۱ تا ۹۴) میں اس کو شائع کردیا ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

''یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان، ملازمت، تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود و مفقود ہوگئے ہیں۔ ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں۔ تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ کپڑا، سوت، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ فرنگ سے لے کر خود فروخت کرکے نفع کماتے ہیں۔ معافی داروں کی معافیاں ضبط کرلی گئی ہیں۔ کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدحال کردیا ہے۔

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالت کے نتیجے میں اہلِ حرفہ اور ان کے سب کے نتیجے میں دریوزہ گر تنگیِ معاش کے شکار ہیں۔

دہلی میں ہوڈل وغیرہ بہت سے پرگنے جاگیر میں شامل تھے اور جاگیرداروں کے یہاں ہزاروں آدمی فوج، انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اب یہ پرگنے اور دیہات و مواضعات انگریزوں نے ضبط کرلیے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہوگئے ہیں۔

بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے، رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی۔ اب رسّی کی تجارت حکومت (کمپنی) نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعۂ معاش بھی جاتا رہا۔

عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہلِ حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہوگئے ہیں۔

ان سب پر مستزاد چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زرِ چوکیداری ادا کریں۔ (ولایات متحدہ اودھ و آگرہ میں ۱۸۱۴ء میں چوکیدارہ ٹیکس کا قانون نافذ ہوا۔ اسی دوران یا چند سال بعد دہلی میں بھی یہ قانون نافذ کیا گیا۔ حاشیۂ کتاب)

دوسرا حکم یہ ہوا کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے بھی مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں پانچ پانچ پنچ مقرر کیے جائیں۔''

اس درخواست سے جہاں مولانا فضل حق خیر آبادی کی سیاسی بصیرت اور عوام کے مسائل اور شہری زندگی کی مشکلات پر ان کی گہری نگاہ کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ان تمام مشکلات و مصائب کے سرچشمہ پر انگلی رکھ کر صحیح تشخیص کر لی تھی۔ اور اسباب کا تجسس کر کے اس کا تعین فرما دیا تھا کہ یہ سارے مسائل غیر ملکی حکمرانوں کے پیدا کردہ ہیں۔

پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ درخواست دہلی کے ریزیڈنٹ کے نام نہیں ہے جو شہر و ضلع کا حقیقی (عملاً) حاکم تھا۔ بلکہ ''حضور جہاں پناہ'' کے نام ہے۔ یعنی ساکنانِ دہلی کے مسائل لال قلعہ کے بے اختیار و محرومِ اقتدار مغل ''شہنشاہ'' (اکبر شاہ ثانی) کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ حالاں کہ لال قلعہ ۱۸۰۳ء سے ویران تھا اور اکبر شاہ ثانی کے والد شاہ عالم کی حکومت دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی۔ اکبر شاہ ثانی کی تو صرف لال قلعہ تک محدود تھی۔ خود ''شہنشاہ'' نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت کر لی تھی اور عوام بھی اپنی تمام ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ (ص ۲۴ تا ۲۶۔ فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ئ۔ از محمود احمد برکاتی ٹونکی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ئ)

باشندگانِ شہر دہلی کے نمائندہ کی حیثیت سے علامہ فضل حق خیر آبادی کی طرف سے اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں پیش کردہ درخواست پر ایک جامع اور فکر انگیز تبصرہ کرتے ہوئے حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی مزید تحریر فرماتے ہیں:

''ان حالات میں برصغیر کا ایک عالم دین۔ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا — عوام کو دوبارہ لال قلعہ کے پھاٹک کی طرف لیے جا رہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر اور ان کے حالات و خیالات کا ترجمان بن کر ان کو ''حضور جہاں پناہ'' کے دیوانِ عام میں لا کھڑا کر دیتا ہے۔

اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکزِ حکومت سے گرہ کشائی اور حلِ مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی۔

دوسری طرف خود ان ''جہاں پناہ'' کی خودی کے بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت و حمیت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے۔

تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ سمتِ قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے۔

اور وہ چونک کر ایک طرف تو ان مشکلات پر توجہ دیں گے، دوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویہ میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کوشیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انھوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا۔ (ص ۷۲۔ فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ئ۔ ازحکیم محمود احمد برکاتی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ئ)

یہ ہے اصل تاریخ انقلاب کا وہ تسلسل جسے علامہ فضل حق خیر آبادی کی دور بین نگاہوں نے اپنی خداداد ذکاوت وفطانت واستقامت وبصیرت سے دار السلطنت دہلی کی سرزمین پر رقم کی ہے مگر اس تاریخ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ڈیڑھ صدی سے مٹانے، چھپانے، بھلانے بلکہ اپنے خونِ جگر سے اس تاریخ کو رقم کرنے والے فرزند عظیم وبطلِ جلیل کی شخصیت وحیثیت کو مجروح وداغ دار کرنے کی بھی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔ اس غفلت شعاری واحسان ناشناسی و محسن کشی پر رئیس احمد جعفری ونادم سیتاپوری جیسے حضرات بھی اپنا درد وکرب نہ چھپا سکے اور انھیں لکھنا پڑا کہ:

''مولانا فضل حق خیر آبادی ایک یگانۂ روزگار عالم تھے۔ عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے۔ علوم عقلی کے امام اور مجتہد تھے۔ اور ان سب سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاست داں، مفکر اور مدبر بھی تھے۔ مسندِ درس پہ بیٹھ کر وہ علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوانِ حکومت میں پہنچ کر وہ دور رس فیصلے کرتے تھے۔ وہ بہادر اور شجاع بھی تھے۔

''غدر'' کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا ایسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے، لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کیے پر نادم وپشیماں نہیں تھے۔ انھوں نے سوچ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام وعمل کے نتائج بھگتنے کے لئے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی، دہشت، اور خوف یہ ایسی چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار اور علم وفضل پر ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب لکھی جاتی۔ لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے۔ فراموش کر دیے گئے، اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ۔ یہ کون بزرگ تھے؟'' (ص ۸۵۴۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد۔ مؤلفہ رئیس احمد جعفری، طبع اول۔ کتاب منزل لاہور)

''انگریز اوران کے ہوا خواہ تو مولانا (فضل حق خیرآبادی) سے اس لئے ناراض تھے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں کسی نہ کسی نہج (بلکہ قائدانہ حیثیت سے۔ اختر مصباحی) سے ان کا نام آ گیا۔ لیکن خود مسلمانوں کا ایک ''پروپگنڈسٹ گروپ'' مولانا سے اس لئے بے زار تھا کہ وہ ان کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے۔

یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی جس کا سہارا لے کر مولانا خیرآبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا۔ لیکن ہوا کچھ ایسا ہی''۔ (ص ۱۰۱۔ غالب نام آورم از نادم سیتاپوری۔ مطبوعہ لاہور)

علامہ فضل حق خیرآبادی کی بصیرت و مآل اندیشی، ہمت و شجاعت اور ان کے استقلال و استقامت پر قربان جائیے کہ ایک طرف لگ بھگ ۱۸۲۶ء میں وہ برطانوی اقتدار کو نظر انداز کرتے ہوئے باشندگانِ دہلی کی قیادت و نمائندگی کرتے ہوئے اپنے قدیم مرکز لال قلعہ سے ان کی وابستگی مضبوط کرنے کے لئے اکبر شاہ ثانی کے دروازے پر ایک جم غفیر کے ساتھ دستک دیتے ہیں اور دوسری جانب عین حالتِ اسیری میں جزیرۂ انڈمان سے اپنے ملک کے باشندوں کی اور خود اپنی داستانِ کرب وبلا (بشکل الثورۃ الھندیہ وقصائد فتنۃ الھند) لکھ کر ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں مفتی عنایت احمد کاکوروی (متوفی ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۳ئ) کے بدست انڈمان سے ہندوستان لکھ بھیجتے ہیں اور اس خطرناک و زہرہ گداز اقدام پر ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی کہ انگریز ظالموں کو اگر اس کی خبر لگ گئی تو پھر اس کا انجام کتنا بھیانک ہوگا؟ ایسے ہی اصحاب عزیمت و استقامت کی بارگاہ میں یہ شعر نذر کیے جانے کے لائق ہے اور صحیح معنوں میں یہی علمائے حق اس کے مستحق بھی ہیں کہ ان کے بارے میں کہا جائے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علامہ فضلِ امام خیرآبادی (علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے والد ماجد) صدر الصدور (چیف جسٹس) دہلی کے ایک مقتدر و نامور شاگرد مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی (وصال ۱۸۶۸ئ) بھی ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۷ء تک دہلی کے صدر الصدور (چیف جسٹس) رہے جو علامہ فضلِ حق کے گہرے دوست اور آزادیِ وطن کے اولین منصوبہ سازوں کے سرپرست تھے۔

۱۸۴۸ء سے اوائلِ ۱۸۵۶ء تک علامہ فضلِ حق خیرآبادی لکھنؤ کے صدر الصدور (چیف

جسٹس) تھے پھر ریاستِ اَلْور (میوات) کے راجہ کی خواہش ودعوت پر ریاست اَلْور سے وابستہ ہوگئے اور آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر (وصال ۱۸۶۲ء) کی ''کِنگ کونسل'' جسے ''پریوی کونسل'' بھی لکھا گیا ہے اس کے علامہ فضل حق خیرآبادی ایک اہم ممبر اور پھر اس کے ڈائرکٹر بھی مقرر رہوئے۔

انگریزوں کا ایک گماشتہ جاسوس عبداللطیف اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے:

جب ہنگامہ (مئی ۱۸۵۷ئ) برپا ہوا تو مولوی فضل حق آئے۔ دربار میں حاضر ہوئے۔ نذر پیش کی۔ روپیہ صدقے اتارے۔ انہیں انتظام سنبھالنے کی خواہش تھی۔ (ص۹۶۔ ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ۔ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، مطبوعہ دہلی)

منشی ذکاءاللہ دہلوی (متوفی ۱۹۱۰ء) انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت پچیس سالہ نوجوان تھے جو انگریز حامی ذہن رکھتے تھے، انہوں نے اپنی ضخیم تاریخی کتاب میں لکھا ہے کہ:

ضلع گوڑگانوہ (میوات) کے زمین داروں کی طرف سے درخواست آئی کہ سارے ضلع میں بدنظمی ہے۔ کوئی حاکم انتظام کے لئے بادشاہ کی طرف سے بھیجا جائے۔ بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) نے یہ کام مولوی فضلِ حق کے سپرد کیا۔

مولوی (فضلِ حق) صاحب عالمِ متبحر مشہور تھے۔ وہ اَلْوَر (میوات) سے ترکِ ملازمت کرکے (دہلی) آئے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے لئے دستورالعمل لکھا تھا۔ (ص۶۸۷۔ تاریخِ عروجِ عہدِ سلطنتِ انگلشیہ ہند، مؤلفہ ذکاءاللہ دہلوی۔ مطبوعہ شمس المطابع دہلی۔ ۱۹۰۳ئ)

انگریزوں کے ایک ہندوستانی جاسوس گوری شنکر نے ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء کی اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

مولوی فضلِ حق جب سے دہلی آیا ہے، شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اُکسانے میں مصروف ہے۔

(INDIAN OFFICE LONDON, MUTINY COLLECTION NO.170- PP. 442-443)

ایک دوسرے جاسوس منشی جیون لال نے ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء کی اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

مولوی فضلِ حق نے بیان کیا کہ:

انگریزوں نے اخبار میں چھاپا ہے کہ جس وقت دہلی فتح ہوگی شہر میں قتلِ عام کیا جائے گا اور شہر خوب غارت ہوگا اور بادشاہی خاندان میں سے کوئی نام لینے والا پانی دینے والا نہیں ہوگا۔

اور کمالِ تأسف کی بات یہ ہے کہ سپاہیوں نے لڑائی کے قواعد چھوڑ دیے ہیں لہٰذا کوئی صورت انگریزوں پر فتح کی معلوم نہیں ہوتی۔

اس پر بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) نے کہا کہ:

تم فوج میں اپنا بندوبست کرواور آپ ان کو خود لڑانے لے جایا کرو۔

اس کے جواب میں اس (فضلِ حق) نے کہا کہ:

فوج بھوکوں مرتی ہے اور جب تک اس کو خرچ نہیں دیا جائے گا یہ ہرگز کسی کا کہنا نہیں مانے گی۔اس پر (شاہی) حکم ہوا کہ:

تم اپنے ساتھ فوج لو اور خود مال گذاری کی تحصیل کرو۔(غدر کی صبح وشام مطبوعہ دہلی ۱۹۲۶ئ، مشمولہ،ص: ۲۱۲۔سرگذشتِ دہلی۔مؤلفہ ڈاکٹر درخشاں تاجور۔مطبوعہ رضا لائبریری رام پور، یوپی، انڈیا)

شاہی طبیب اور برطانوی وفادار حکیم احسن اللہ خاں علامہ فضل حق خیرآبادی کے جہادِ مسلسل کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

مولوی (فضلِ حق) صاحب جب بھی بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کے پاس آتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ: جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے ساتھ باہر (میدان جنگ میں) بھی نکلیں۔فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں۔

(Memoirs of Hakeem Ahasanullah khan, karachi-p:24)

سید مبارک شاہ کوتوالِ دہلی بزمانۂ انقلاب ۱۸۵۷ء کا بیان ہے:

بہادر شاہ ظفر نے جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضلِ حق پر مشتمل ایک ''کِنگ کونسل'' تشکیل دی تھی۔

(THE GREAT REVOLUTION OF 1857- D.S. MOEENUL HAQUE- KARACHI, 1968- P.182-183)

بہادر شاہ ظفر سے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی ملاقات ومشورہ، علمائے دہلی سے تبادلۂ خیالات اور انقلابیوں سے رسم وراہ کا یہ سلسلہ مئی ۱۸۵۷ء سے جاری رہا۔اور جب جنرل بخت

خاں روہیلہ ۲۴؍جون یا پہلی جولائی ۱۸۵۷ء کو بریلی سے چودہ ہزار فوج لے کر دہلی پہنچا تو:

علامہ فضل حق خیرآبادی نے بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد دہلی میں علُما کے سامنے تقریر کی۔ استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دست خط کیے۔

اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی۔ (تاریخ ذکاء اللہ دہلوی مطبوعہ دہلی ۱۹۰۳ء۔ص: ۲۱۵۔ باغی ہندوستان مؤلفہ عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی، طبعِ پنجم مبارک پور۔ وطبع اول مدینہ پریس بجنور، ۱۹۴۷ء۔ مع مقدمۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

انگریزوں کے مُخبر چنی لال اور تراب علی کی رپورٹ ہے:

مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں۔ (اخبارِ دہلی ۲۷۳۔ فائل ۱۲۷۔ رپورٹ از چنی لال)

مولوی فضل حق کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر ہو کر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں۔ سبزی منڈی (دہلی) کے پھل والے محاذ پر صف آرا ہیں۔ (اخبارِ دہلی۔ رپورٹ تراب علی)

ستمبر ۱۸۵۷ء میں انقلاب کی ناکامی اور دہلی پر انگریزوں کے مکمل قبضہ کے بعد جب ہندوستانیوں کی روپوشی اور داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو سیتاپور، اَوَدھ سے جنوری ۱۸۵۹ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی بھی گرفتار ہوئے اور لکھنؤ کورٹ میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر ہوا۔ آپ نے اپنے مقدمہ کی خود وکالت کی اور جب کورٹ کے انگریز جج نے انگریزوں کے خلاف آپ کے فتوائے جہاد کا ذکر چھیڑا تو آپ نے بے خوف وخطر انگریز جج کے سامنے برملا اعلان کیا کہ:

ہاں! وہ فتویٰ صحیح ہے۔ اسے میں نے ہی لکھا ہے اور آج بھی میں اپنے اس فتویٰ پر قائم ہوں۔

مولانا رحمن علی نے تذکرۂ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ وکراچی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی نے ''غدر کے چند علُما'' مطبوعہ دہلی۔ غلام رسول مہر نے ''۱۸۵۷ء کے مجاہد'' مطبوعہ لاہور۔ مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی نے ''باغی ہندوستان'' طبع اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمۂ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا امداد صابری دہلوی نے ''داستانِ شرف'' مطبوعہ دہلی۔ رئیس احمد جعفری ندوی نے ''بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد'' مطبوعہ لاہور۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے ''حکمائے اسلام'' جلد دوم، مطبوعہ اعظم گڑھ۔ اور حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی نے ''۱۸۵۷ء

اور فضلِ حق''، مطبوعہ کراچی میں مذکورہ حالات وواقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی لکھتے ہیں:

دلاور جنگ مولوی احمد اللہ مدراسی آگرہ سے لکھنؤ آئے۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے خلاف عُلما میں سرگرمیِ عمل پیدا کررہے تھے۔ مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) بھی ان کے ہم نوا ہوگئے۔ اور سرکاری ملازمت ترک کر کے اُلور (میوات) چلے گئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا۔ دہلی آئے۔ بہادر شاہ ظفر سے ملے۔ یہاں جنرل بخت خاں کے ٹھاٹ جمے ہوئے تھے۔ نصاریٰ کے خلاف جہاد کا فتویٰ مولانا نے دیا اور اس پر مفتی صدرالدین آزردہؔ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادوغیرہ کے دست خط کرائے گئے۔ (ص ۵۶۔ علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں۔ مؤلفہ انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی)۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی فاضلِ دارالعلوم دیوبند وسابق صدر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی لکھتے ہیں:

ان (مولانا فضلِ حق خیرآبادی) کا ایک الگ مستقل فتوائے جہاد تھا جس کا ذکر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی اسلامی تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

............انہوں (فضل حق خیرآبادی) نے ہر چیز سے بے نیاز ہوکر دلی کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے بعد جہاد کے واجب ہونے پر ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر کی اور اس کے بعد جہاد کے ایک فتویٰ کا اعلان ہوا۔ جس پر مفتی صدرالدین آزردہؔ، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور دوسرے عُلما کے دست خط تھے۔ (ص ۴۲۔ ہندوستان کی شرعی حیثیت از مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ مطبوعہ علی گڑھ)

تاریخِ آزادی کے مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری ندوی (فاضل دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ) لکھتے ہیں:

مولانا فضلِ حق خیرآبادی بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کے معتمد، مقرب اور مشیر تھے۔ ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں اہم معاملات ومسائل پر مشورے دیا کرتے تھے اور اس بات کے داعی وساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجائیں۔

مولانا (فضلِ حق) نے غدر (۱۸۵۷ئ) میں دلیری اور جرأت کے ساتھ علانیہ حصہ لیا۔ انہوں نے متعدد والیانِ ریاست اور اُمرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش

کی۔ جس جس والیِ ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے خواہ ہندو ہو یا مسلمان خود اس کے پاس پہنچے اور اسے آزادیِ وطن کا واسطہ دے کر اس جدو جہد میں شریک کرنے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا (فضلِ حق) کی شرکت سے بڑی تقویت ملی۔ (ص ۸۶۲۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی۔ طبع اول کتاب منزل لاہور)

مولانا حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند و صدر جمعیۃ العلما ہند لکھتے ہیں:

جس مُخبر نے ان (فضلِ حق خیر آبادی) کو گرفتار کرایا تھا اس نے (لکھنؤ کورٹ میں) انکار کر دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ فتوائے جہاد پر جس نے دست خط کیے ہیں وہ یہ فضلِ حق ہیں یا کوئی اور ہیں؟

مولانا (فضلِ حق خیر آبادی) نے فرمایا: مُخبر نے جو رپورٹ پہلے لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح ہے کہ فتویٰ میرا ہے۔ اب میری شکل و صورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔

قربان جایئے علامہ کی شانِ استقلال پر! خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ:

میرا اب بھی وہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے اور اس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔

خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پروا کیے بغیر سر بکف ہو کر میدان میں نکلتے ہیں اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے ہیں بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں۔

(ص ۶۵۔ تحریکِ ریشمی رومال، مؤلفہ مولانا حسین احمد مدنی، مطبوعہ کلاسیک لاہور)

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے صاحبزادے مولانا عبد الحق خیر آبادی (وصال ۱۸۹۸ء) کے بارے میں لکھتا ہے:

موجودہ ہیڈ مولوی اس عالمِ دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کر دیا تھا اور جنھوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا تھا کہ بحرِ ہند کے ایک جزیرہ (انڈمان/ کالا پانی) میں تمام عمر کے لئے جلا وطن کر دیے جائیں۔

اس غدار عالمِ دین (فضلِ حق خیر آبادی) کا کتب خانہ جس کو حکومتِ ہند نے ضبط کر لیا تھا۔ اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔ (ص ۲۰۳۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، مؤلفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل۔ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵)

علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے اسی فرزند مولانا عبد الحق خیر آبادی (وصال ۱۸۹۸ئ) کے

بارے میں مولانا عبد الشاہد شیروانی علی گڑھی سابق لائبریرین لٹن لائبریری (مولانا آزاد لائبریری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ یوپی لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحق خیرآبادی نے آخر وقت یہ وصیت بھی فرمائی کہ:

''جب انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو میری قبر پر خبر کر دی جائے''

چنانچہ پندرہ اگست ۱۹۴۷ کو رفیقِ محترم مولوی سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے مولانا (عبدالحق خیرآبادی) کے مدفن (درگاہ مخدومیہ، خیرآباد ضلع سیتاپور، یوپی) پر ایک جمِ غفیر کے ساتھ حاضر ہو کر میلاد شریف کے بعد قبر پر فاتحہ خوانی کی۔ خبر سنا کر وصیت پوری کی۔ جزاہُ اللّٰہ خیرَ الجزاء۔ (ص ۱۲۔ مقدمہ زبدۃ الحکمہ از عبد الشاہد شیروانی علی گڑھی۔ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۴۹ئ)

قائدِ جنگِ آزادی علامہ فضلِ حق خیرآبادی کو ۳۰/جنوری ۱۸۵۹ء کو سیتاپور (یوپی) سے گرفتار کر کے ۲۱/فروری ۱۸۵۹ء کو آپ کے خلاف لکھنؤ کورٹ میں مقدمہ چلایا گیا اور ۴/مارچ کو الزامِ بغاوت میں تمام جائداد کی ضبطی اور کالا پانی کی سزا سنائی گئی۔ کالا پانی (جزیرۂ انڈمان) ہی میں ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ/مطابق ۲۰/اگست ۱۸۶۱ء کو آپ کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اب ۲۰۱۱ء میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے وصال کو ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے ہیں اس لئے برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کا مشترکہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اس عظیم محسن و قائدِ ملک و وطن کا عظیم الشان ڈیڑھ سو سالہ جشن (از جنوری تا دسمبر ۲۰۱۱ء) منا کر اس کی بارگاہ میں خراجِ تحسین و عقیدت پیش کریں۔ اور اپنے اسلاف کی روشن خدمات اور بے مثال قربانیوں سے نئی نسل کو واقف کرانے کے ساتھ اس کے اندر قوم و ملت کی خدمت اور وفاداری کا جذبہ پیدا کریں۔

☆☆☆

ڈیڑھ سو سالہ جشنِ قائدِ انقلاب ۱۸۵۷ء
علامہ فضلِ حق خیر آبادی

☆جو منقولات بالخصوص علمِ حدیث میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و شاہ عبد القادر دہلوی اور معقولات میں اپنے والد ماجد علامہ فضلِ امام خیر آبادی صدر الصدور دہلی کے تربیت یافتہ اور پروردہ ہیں۔

☆جن کے مذہبی و علمی سلسلۂ خیر آباد سے وابستہ علمائے کرام کے فیضان سے ہندو پاک کا چپہ چپہ سیراب وشاداب اور گوشہ گوشہ روشن ومنور ہے۔

☆جن کے قلم کا شہ کار ''امتناعُ النظیر '' اور ''تحقیقُ الفتویٰ فی اِبطالِ الطَّغویٰ'' جیسی ایمان افروز اور روح پرور کتابیں ہیں۔

☆جن کے تلامذہ اور شاگردوں میں جلیل القدر عُلما مثلاً مولانا عبدالحق خیر آبادی و مولانا ھدایت اللہ جون پوری و مولانا عبد القادر عثمانی بدایونی و مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے مشاہیر اور خواجہ الطاف حسین حالیؔ کے استاذ مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی، مولانا ابو الکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین دہلوی اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے والد مولانا محمد احسن گیلانی جیسے حضرات شامل ہیں۔

☆جنھوں نے تقدیسِ اُلوھیت و تعظیمِ نبوت اور اِحیاے ملت کی راہ میں اپنی علمی و قلمی توانائی صَرف کر کے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی کی یاد تازہ کر دی۔

☆جو آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کے مُعتمد مُشیر اور ان کی ''کِنگ کونسِل'' کے ڈائرکٹر تھے۔

☆جنھوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے بحرانی حالات میں مسلم اقتدار کے استحکام و مرکزیت کے لئے دستورِ حکومت کا تحریری خاکہ مرتب کیا۔

☆جنھوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے دوران شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں انگریزوں کے خلاف ولولہ انگیز تقریر کر کے اہلِ وطن کے سینوں میں جذبۂ حُریت پیدا کیا۔

☆جن کے تحریر کردہ فتوائے جہاد اور تصدیقاتِ علمائے کرام کے نتیجے میں نوے

ہزار(۹۰۰۰۰) حریت پسند سپاہ دہلی کے اندر جمع ہوکر انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوگئی۔

☆ جنہیں جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر کے لکھنؤ کورٹ میں مقدمہ سے دوچار کیا گیا تو انگریز جج کے سامنے اپنے فتویٰ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہاں! وہ فتویٰ میں نے دیا ہے کہ انگریز ظالم وغاصب ہیں اوران کے خلاف جہاد فرض ہے۔

☆ جن کے خلاف سزائے عمر قید در جزیرۂ انڈمان/ کالا پانی کا فیصلہ سنایا گیا تو آپ کی پیشانی پر بَل تک نہ آیا۔ اور صبر واستقلال کے ساتھ انگریزی مظالم برداشت کرتے ہوئے

بتاریخ ۱۲/ صفر ۱۲۷۸ھ/ ۲۰/ اگست ۱۸۶۱ء جزیرۂ انڈمان میں اپنے خالق ومالکِ حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

۲۰۱۱ء میں اس قائدِ انقلاب علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی ڈیڑھ سوسالہ یادگاری تقریبات کا انعقاد ہمارا قومی وملی وملکی فریضہ ہے۔

